جہنم کے سوداگر
THE TRADERS OF HELL
محمد جبران
ایم فل اسکالر
Special Episode 13
سنہری اژدھے
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سنہری اژدھے (تیرھویں خصوصی قسط)

میں کس جگہ تھا مجھے معلوم نہیں بس اتنا یاد تھا کہ میں اب کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ان جہنم کے قزاقوں نے مجھے نامعلوم کتنے عرصے کے لئے چلنے پھرنے سے محروم کر دیا تھا۔میرا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور میں خون میں نہایا ہوا تھا۔مجھے یاد نہیں کہ میں کتنے دن تک اسی طرح اپنے خون کو اپنے ہی ہونٹوں سے پیتا رہا۔میرا جوڑ جوڑ بری طرح سے درد کر تا رہا۔مجھ میں سوچنے سمجھنے کی ساری طاقت سلب ہو گئی تھی بس مجھے یاد تھا تو وہ فلیش فارورڈ۔وہ رہ رہ کر بار بار میرے دماغ کی اسکرین پر کسی فلم کی طرح چل رہا تھا اور فلم کے انجام سے میں خوب واقف تھا کیا واقعی اب بھی میرے ساتھ وہی ہونے جا رہا تھا؟ یا اس کی ایک خواب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں تھی۔کیا یہ درندہ صفت لوگ مجھے اسی طرح سے بے بس کرنے والے تھے اور مجھے شیطان کے حوالے کیا جانے والا تھا۔کیا میں شیطان کو بلید ان کے لئے پیش کیا جانے والا تھا۔مجھے یہ باتیں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھیں۔میری نس نس میں ان کا زہر سرایت کر گیا تھا۔

کیا آج کے دور میں بھی ایسے لوگ زندہ تھے جو ان رسومات پر یقین رکھتے تھے۔کیا کوئی واقعی ایسا شیطان تھا جس کو قربانی پیش کی جا سکتی تھی۔کیا ان رسومات کا کوئی سر پیر بھی تھا یا یہ سب باتیں ہوا میں ہو رہی تھیں۔میں نے اس قسم کی بے شمار کہانیاں تو ضرور پڑھی تھیں پر مجھے ان باتوں پر ہرگز یقین نہیں تھا۔اس دنیا میں صرف ایک خدا تھا اور اسی کی حقیقت اٹل تھی۔اس کے سوا باقی سب کی حقیقت ایک خالی غبارے سے زیادہ نہیں تھی۔اس میں ہوا بھر دی تو وہ بھرا بھرا ساد کھائی دیتا اور جس وقت اسے سوئی چبھو دی جاتی تو ساری ہوا ہی باہر نکل جاتی۔پھر کیا واقعی یہ تمام واقعات محض ایک ہوا والے غبارے کی مانند تھے۔جو وقت آنے پر ذرا سی چیز پر یہ ہوا ہو جاتے۔مگر صدیوں سے رائج ان رسومات کی یقیناً کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور رہی ہو گی۔کہیں نہ کہیں بنیاد موجود ہوتی ہے جس پر عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

لیکن میں نے فلیش فارورڈ میں آگ دیکھی تھی، کیا واقعی اب یہ لوگ مجھ پر کوئی ایسا عمل کرنے والے تھے جس سے میرے پورے وجود کو آگ لگ جاتی۔کیا واقعی شیطان زمین پر اتر آتا۔بلاشبہ میری اب تک کی سرگزشت میں یہ سب سے زیادہ حیران کن واقعات تھے اور میں انہیں چاہ کر بھی

کنٹرول نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ میرے اختیار سے باہر تھے۔ کیا واقعی اِن جاہل جنگلیوں کی تپسیا میں کوئی چیز ایسی تھی جس نے انہیں اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ اب یہ شیطان کے اس قدر قریب ہو گئے تھے۔ یہ وہ باتیں اور سوالات تھے جس کا میری منطق میں کوئی جواب نہیں تھا اور میری منطق یقیناً ناقص تھی میرا پرودگار ہی سب سے بہتر جاننے والا تھا۔ وہی مجھ پر اس سارے ماورائے عقل کھیل کو بیان کرنے والا تھا۔

قدم قدم پر مسٹری اور سسپنس نے ان واقعات کو آہنی ہاتھوں میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ وہ واقعات تھے جو بیان تو کئے جاسکتے تھے مگر ان کی کوئی بھی عقلی دلیل نہیں دی جاسکتی تھی۔ انہیں صرف وہی مان سکتے تھے جو ان باتوں پر ایمان رکھتے تھے اور میں صرف اللہ کو مانتا تھا صرف اس کی باتیں میرے ایمان کا حصہ تھیں۔ میرے نزدیک اس سب کچھ کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ مگر جب ایسے واقعات رونما ہو جائیں تو پھر اسے ویسے ہی بیان کر دینے میں عافیت تھی اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھی۔ سو میں اپنے پڑھنے والوں کی اس کی کوئی حقیقت یا عقلی دلیل نہیں دے پاؤں گا ہر کوئی اپنی عقل اور منطق کے حساب سے ان واقعات کو جو معنی یا مفہوم پہنانا چاہے پہنا سکتا ہیں۔

میرا شعور بیدار ہونے میں معلوم نہیں کہ کتنا وقت لگ گیا، اس عرصے کے دوران میں کسی الگ ہی دنیا میں مگن رہا۔ وہ ایک فریبی دنیا تھی جہاں صرف میری بہادری اور قوت ارادی کا امتحان ہو تا رہا۔ میں اس حیران کن منظر کو بیان کرنے سے قبل یہ بات ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کبھی بھی اپنی کسی عادت پر غرور نہیں کیا۔ ہاں خدا نے مجھ میں بے پناہ خوبیاں رکھی تھیں جو وقتاً فوقتاً مجھ میں ابھر کر سامنے آرہی تھیں۔ میں نے کبھی نہیں چاہا کہ ان خوبیوں یا خامیوں کا ذکر خود سے کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ آنے والے واقعات ہی میری خوبیاں اور کمزوریاں قارئین کے سامنے لائیں تو بہت اچھا ہو گا تا کہ خود قارئین ہی فیصلہ کر سکیں کہ میں پیش آنے والے حالات میں کیسے پرفام کیا۔ کئی دفعہ میں ناکام ہوا اور کئی دفعہ کامیاب رہا اس میں بھی صرف میرے رب کا ہی کمال تھا کہ بیشتر موقوں پر اس نے مجھے سرخرو کیا تھا۔ بے شک عزت ذلت اسی کے ہاتھ میں تھی۔ میرے ہاتھ میں بس کوشش تھی جو میں کر رہا تھا۔ میں بھی انسان تھا اور سیکرٹ ایجنٹ بن جانے کے بعد یہ ہرگز نہیں تھا کہ میں سوپر مین بن گیا تھا۔ فولاد بننے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میرے سامنے جو بھی مصیبت آتی میں اس کے سامنے ایسے ڈٹ جاتا کہ وہ مصیبت خود ہی بھاگ جاتی۔ بے شک میرے حوصلے جوان تھے مگر میں ایک نارمل انسان تھا، مجھ سے بھی غلطیاں ہوتی تھیں اور پھر میں ان کا ازالہ بھی کرتا تھا۔ کیونکہ یہی اصلی زندگی تھی کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں کہ میں کوئی ناقابل فہم کام کر جائوں۔ شاید اس دنیا میں کوئی بھی مکمل بن کر نہیں آیا ہم سب لوگ ہی کہیں نہ کہیں کمزور ضرور ہیں بس فرق ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کو کس طرح قابو کرتے ہیں اور خود کو اپنے حالات کے مطابق ڈھالتے ہیں۔

میری پٹائی کے بعد جب دماغ کی اسکرین پر ہر منظر غائب ہو گیا اور میں اس لافانی دنیا کے لامتناہی سمندر میں خود غوطے لگانے کے بعد جب میری دماغ کی اسکرین دوبارہ روشن ہوئی تو میں نے خود کو چاروں طرف سے سنہری اژدھوں میں گھرے ہوئے پایا۔ میرے ارد گرد بے حساب اژدھے رینگ رہے تھے اور اپنی وحشت سے مجھے ڈرانے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ کچھ اژدھوں نے میرے پورے وجود کو اوپر نیچے سے ڈھک رکھا تھا اور میرا سر ہی صرف باہر تھا۔ یہ ایسا عجیب و غریب اور نہایت ہی غیر معمولی منظر تھا کہ اگر یہ کسی اور عام انسان کے سامنے ہو رہا ہوتا تو شاید وہ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
- ایڈ فری لنکس
- ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
- ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
- کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

اس کی تاب ہر گز نہ لا سکتا۔ وہ سب اپنی زبان نکال نکال کر مجھے گھور رہے تھے۔ پتہ نہیں اس منظر میں میں کیسے فٹ آ گیا تھا۔ میں یہاں تک کیسے پہنچا تھا یہ بات بھی میری عقل میں نہیں بیٹھ رہی تھی۔

میں نے جب اپنے پورے ماحول کو اردگرد نظریں دوڑا کر دیکھا تو میں نے خود کو ایک کنوئیں میں پایا جس کی دیواریں بہت قدیم تھیں اور اس میں پانی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ بے انتہا گہرا تھا، بہت دور کہیں سے مجھے ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آ رہا تھا جس سے روشن جھانک رہی تھی اور وہ روشنی اس قدر تیز تھی کہ مجھے کنواں اندر سے نظر آ رہا تھا۔ ہر طرف سنہری اژدھے اپنی خون خوار آواز نکالتے ہوئے پھر رہے تھے۔ ان کی خاص بات یہی تھی کہ وہ مجھے کاٹ نہیں رہے تھے بس ان کی عجیب و غریب ہیبت ہر سو طاری تھی۔

گویا یہ میرے صبر اور برداشت کا انتہائی طویل امتحان تھا۔ مجھ میں اٹھنے کی ہر گز طاقت باقی نہیں رہی تھی کیونکہ میری جتنی پٹائی ہو چکی تھی اس کے بعد میں اپنے اندر قوت مدافعت کو محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔ سب اژدھے مل کر میرے منہ پر سوار ہو جاتے تھے اور پھر لپک کر وہاں سے اتر جاتے تھے۔ یہ منظر اتنا خوفناک تھا کہ شاید کوئی دیکھ لیتا تو اس کی دیکھتے ہی جان نکل جاتی۔ آپ یہ سوچیں جس کے ساتھ یہ سب کچھ پیش آ رہا ہو اس کی کیا حالت ہو گی۔ مگر مجھے ان کا خوف نہیں تھا۔ وہ مجھے اپنی زبانیں نکال نکال کر صرف اپنی دہشت بٹھا رہے تھے۔ ابھی ان کے کاٹنے کی باری نہیں آئی تھی۔

کیا یہ بھی کوئی فلیش فارورڈ تھا؟ اس سوال کا جواب مجھے کافی دیر تک نہ ملا کیونکہ میں اسی منظر میں گم رہا۔ آخر میں یہاں پر آ کیسے گیا تھا میری تو سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ مجھے اس وقت ان قزاقوں کی قید میں ہونا چاہیے تھا مگر میں تو شاید ایک کنوئیں میں تھا جہاں ہر طرف اژدھے ہی اژدھے تھے۔ تو کیا ان حبشیوں نے مجھے اس جگہ پھینک دیا تھا۔ یا یہ کوئی اور ہی چکر تھا؟ کیا یہی میرے کیے کی سزا تھی کیا میں واقعی کسی جہنم میں آ گیا تھا؟ مگر اللہ کی عدالت تو لگی نہیں تھی جس کا وعدہ مجھ سے دنیا میں کیا گیا تھا۔ اگر میں مر گیا تھا تو کیا سیدھا ہی جہنم میں چلا گیا؟ مجھے جب یہ خیالات آنے لگے اور بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ میں واقعی اتنا گناہ گار ہوں جو میرا حساب کتاب بھی نہیں ہوا کوئی میدان عرفات سجا نہ ہی کوئی ترازہ لگا پھر میں یہاں کیسے آ گیا۔ نہ ہی میرے اعمال کو تولا گیا پھر یہ سب کچھ کیا تھا؟ اللہ یہ کون سی جگہ تھی جہاں جہنم کے اژدھوں نے میرے پوری وجود کو اپنی اماج گاہ بنا دیا تھا۔ لیکن اگر یہ ہماری دنیا کا ہی حصہ تھا تو پھر حقیقی جہنم کیسی ہو گی؟۔۔۔ میری سوچ کی لہریں بہت دور تک چلی گئیں۔ میرا ذہن بیک وقت خالی بھی تھا اور خیالات سے پر بھی۔ عجیب سی کیفیت تھی جسے الفاظ کی شکل میں ڈھال کر آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ جو بھی طلسم کدہ تھا میری ناقص سوچ سے بہت بلند تھا۔

آہستہ آہستہ بلندی سے آنے والی روشنی ماند پڑنے لگی۔ میرے جسم پر رینگنے والے یہ دنیا کے عجوبے جانے کب مجھے اپنی خوراک بنانے والے تھے ابھی تو مجھے زبانیں دکھا دکھا کر چڑا رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک سیاہ اژدھا رینگتا ہوا میرے بالکل سامنے آ گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پوری

قوت سے میرے ماتھے پر حملہ کر دیا۔ اس کی ایک زوردار ضرب نے میری دماغ کی اسکرین مزید کچھ سوچنے سمجھنے سے غافل کر دیا۔ پھر اس کے بعد مجھ پر باقی اژدھوں نے بھی حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ میری بوٹی بوٹی نوچ ڈالتے۔

☆☆☆☆☆☆☆

دن شام میں بدل کر اب کروٹ لے کر رات کی طرف بڑھ رہا تھا۔ آمنہ میرے پاس دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی تو اس نے میری طرف مسکرا کر دیکھا تو میں بھی جواب میں مسکرا دیا۔

"کیا سوچ رہے ہیں قاسم صاحب؟ کہیں آپ کو کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے؟۔۔۔" شاید اس نے میری بے چینی میری مسکراہٹ کے باوجود بھی محسوس کر لی تھی۔ میں ایک بار پھر مسکرایا اور بولا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا کوئی گڑبڑ ہونی چاہیے؟ میرے خیال میں تو سب کچھ نارمل ہے۔" میں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا تو میری بات سن کر قیصر صاحب بھی مسکرا دیئے۔

"نہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہونی چاہیے لیکن میں نے آپ کی آنکھوں میں بے چینی نوٹ کر لی ہے۔ لگتا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلنا نہیں چاہتے تھے اور زبردستی چل رہے ہیں۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟" وہ واقعی جتنی اوپر سے بھولی دکتی تھی اندر سے اتنی ہی گہری تھی۔ مجھے اسے پہچاننے میں غلطی ہوئی تھی۔ وہ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گئی۔

لیکن مجھ سے بولنے سے قبل وہ ماموں صاحب درمیان میں ٹپک پڑے "اگر قاسم صاحب نہیں بھی آنا چاہتے تھے تو میں پھر بھی انہیں زبردستی لے آتا۔ بھئی مہمانوں کے ساتھ ایسے بات نہیں کرتے آمنہ تم ذرا بھی خیال نہیں ہو۔ جناب آپ برا نہ منائیں یہ آپ کو نہیں لے کر جا رہی بلکہ میں آپ کو لے کر جا رہا ہوں۔ آپ میرے مہمان ہیں ان کے نہیں۔ اس کی تو عادت ہے یہ بہت منفی سوچتی ہے اور جو بھی منہ میں آتا ہے بول دیتی ہے۔" اس کی بات ختم ہوتے ہی میں بے اختیار مسکرا دیا۔ مجھے دونوں نے بری طرح سے ٹریپ کر دیا تھا نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی ۔ دونوں اطرف سے وہ مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ ایک طنز کر رہی تھی تو دوسرا میٹھا زہر گھول رہا تھا۔ مجھے انہوں نے مکمل طور پر پابند کر دیا تھا کہ میں ہر حال میں اچھے موڈ میں رہوں اور ان کے ساتھ جانے میں کسی بھی قسم کی کوئی عار محسوس نہ کروں۔ میں کر بھی کیسے سکتے تھا جس خلوص کے گن پوائنٹ پر مجھے وہ لے کر جا رہے تھے اسے نبھانا تو تھا۔

"ارے نہیں جناب سارا راستہ یہی کچھ تو ہوتا رہا ہے کبھی یہ مجھے تنگ کرتی تھیں تو کبھی میں انہیں ویسے اگر آپ دونوں خود سے آفر نہ کرتے تو میں خالی بیٹھ کر بور ہونے کے علاوہ اور کیا کرتا۔ شاید باہر نکل جاتا تہران کے بازاروں کو دیکھتا اور اس میں گھومتا پھرتا اب آپ کے بہانے مجھے کار بھی

نصیب ہو گئی ہے تو اور چاہیے میں تو بہت خوش ہوں جی کہ مجھے آپ کی بدولت سیر کرنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ میں آپ لوگوں کا بے حد مشکور ہوں آپ کا یہ احسان مجھے کبھی نہیں بھولے گا آپ جیسے اچھے لوگ کم ہی ملتے ہیں۔۔"

"نہیں اس میں شکریہ کی کون سی بات ہے قاسم صاحب یہ تو ہمارے لئے اعزاز کے بات ہے کہ ہم کسی پاکستانی کی خدمت کر رہے ہیں۔ بڑا عرصہ ہوا یہاں ایران رہ رہ کر تو مجھے پاکستان بھول ہی گیا تھا۔ اب آپ آئے ہیں تو جیسے تازہ ہوا کا جھونکا۔ مجھے تو پاکستان کی وہی گلیاں وہی سڑکیں وہی رونقیں یاد آتی ہیں جب ہم وہاں پر کبھی کرکٹ کھیلا کرتے تھے تو بھی کیا دن تھے۔ خیر آپ نے تو مجھے رواں ہی کر دیا معاف کیجئے گا آپ بھی کہیں گے کہ میں نے آپ کو کن باتوں میں لگا دیا۔ یہ بتائیں آپ کیا کھانا پینا پسند کریں گے اب آپ آئیں ہیں تو آپ کی خدمت ہمارا فرض ہے۔ بلکہ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو یہاں سے شاپنگ بھی کروا سکتا ہوں۔ سب کچھ میرے خرچ پر یہ کوئی بات ہے بھلا۔۔۔۔" ماموں قیصر صاحب کی جب زبان رواں ہوئی تو وہ بھی آمنہ کی تک چپڑ چپڑ بولتا چلا گیا شاید اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ وہ جوش میں کیا کیا کہہ گیا۔ بالکل آمنہ پر ہی گیا تھا۔

"ماموں یہ آپ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے۔ آپ کو پتہ بھی ہے کہ مجھے پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ پھر وہاں کی گلی محلے کی کرکٹ لے آئے ہیں حد ہوتی ہے۔ کوئی اور بات کریں، ہاں شاپنگ کی تو آفر میں نے بھی کرنی تھی چلو شکر آپ نے کر دی۔ جی تو قاسم صاحب کیا آپ شاپنگ کرنا چاہیں گے۔۔۔۔۔۔" جب ماموں خدا خدا کر کے چپ ہوا تو اس کے ساتھ ہی آمنہ کو بولنے کا گرین سگنل مل گیا۔ اسے چپ کروانا میرے بس میں نہیں تھا۔ اب بال میرے کورٹ میں تھی یعنی اب دونوں کی بولتی بند میری بولتی کھلنے والی تھی۔ انہوں نے جتنا سر کھایا تھا اب مجھے بھی اصولاً اتنا ہی کھانا چاہیے تھا۔۔ خیر میں نے ان پر رحم کرتے ہوئے ہاتھ ہولا ہی رکھا کیونکہ مجھے اپنی ساری طاقت آگے کے لئے جمع رکھنی تھی۔

"چلیں آپ لوگوں کا اتنا اصرار ہے تو شاپنگ بھی کر لیتے ہیں ویسے میرا ارادہ تو یہاں کی تاریخی جگہیں دیکھنے کا تھا۔ اگر وقت کے دامن نے ہمیں اجازت دی تو کیوں نہیں جی اس آفر سے بھی ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔ ویسے آپ کے خیال میں یہاں کی شاپنگ سستی ہو گی؟ اور یہاں کی مارکیٹ کیسی ہے۔"

"بہت سستی ہے قاسم صاحب آپ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں اور یہاں کے دکاندار تو ان سے بھی اچھے ہیں خاص طور پر مہمانوں سے یہ بہت اچھی طرح سے پیش آتے ہیں۔" اتنی دیر میں گاڑی ایئر پورٹ کے احاطے سے نکل کر ایک مصروف شاہراہ پر دوڑ رہی تھی۔ وہاں کے بازار لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ نہ تو مجھے ان کے ناموں کا پتہ تھا اور نہ ہی میں ان کی تفصیل سے آگاہ تھا بس منظر تھے تیزی سے میری نظروں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

"آپ نے ہماری بات کا جواب نہیں تھا؟ یہ آپ گاڑی پر چڑھنے سے قبل اتنے اضطراب کا شکار کیوں تھے؟ دیکھیں میں آپ کو کسی صورت بھی بات گول نہیں کرنی دوں گی۔" آمنہ نے ایک بار پھر میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو اب مجھے اپنے اندر کو کھول کر باہر لانا تھا۔ کیونکہ وہ یوں آسانی سے میری جان نہیں چھوڑنے والی تھی۔

"چلیں آپ جب اتنا ضد کر رہی ہیں تو میں آپ سے پوچھ ہی لیتا ہوں آپ بتا دیں تاکہ میرا اضطراب ختم ہو۔ یہ ڈی کیا چیز ہے؟۔۔۔۔" ابھی میں آمنہ کی طرف دیکھ کر اپنی بات کر ہی رہا تھا کہ ہماری گاڑی کے اطراف میں دس بارہ موٹر بائیکس نکل کر سامنے آ گئے۔ وہ تیز رفتاری سے ہماری گاڑی کا مقابلہ کر رہے تھے۔ میں نے چونک کر ان کی جانب دیکھا میرے ساتھ ساتھ آمنہ بھی حیران تھی۔ جبکہ ماموں صاحب کے چہرے پر گہرا اطمنان تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کٹک کٹک کی آواز کے ساتھ ہی میری سائیڈ والا دروازہ لاک ہو گیا اور شیشے مضبوطے کے ساتھ بند ہو گئے۔ پھر اچانک آمنہ نے پھرتی سے اپنے پرس سے پستول نکال کر مجھ پر تان لیا۔ میں اس نئی افتاد کے لئے تیار تو نہیں تھا مگر غیر ارادی طور پر میرا منہ کھل گیا۔

"خبردار ڈیوڈ کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ تمہاری لاش پر یہاں فاتحہ پڑھنے والا بھی کوئی نہیں ہو گا۔۔۔" اس نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا تو میں نے بے اختیار ایک گہرا سانس لے لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

میرے ذہن میں گہری سیاہ چادر کی ایک تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں کتنی دیر تک اس حال میں رہا۔ پھر رفتہ رفتہ دماغ پر چھائی ہوئی سیاہ دھند چھٹنے لگی۔ میرے لاشعور میں ایک سفید نکتہ ابھرا جو رفتہ رفتہ بڑا ہو کر ایک ستارے کی شکل اختیار کر گیا۔ میں لاشعور سے شعور کی منزلیں پھلانگتا ہوا تیزی کے ساتھ روشنی کی جانب بڑھنے لگا۔ میرا شعور بیدار ہوا تو اس کے ساتھ ہی میرے جسم کے تمام احساسات بیدار ہوئے تو مجھے احساس ہوا کہ میرے جسم کا جوڑ جوڑ بری طرح سے دکھ رہا ہے۔ جانے کتنی دیر تک میں اسی درد سے الجھتا ہوا ایک اور منزل طے کر گیا۔ اس منزل پر میرے دماغ کی اسکرین پر گزشتہ واقعات کی ایک فلم چلنا شروع ہو گئی۔

مجھے سب کچھ یاد آنے لگا کہ کس طرح وام اور میں اس پراسرار جزیرے سے بوٹ کے ذریعے کسی قریب ترین آبادی کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ہمیں چاروں طرف سے سمندری قزاقوں نے گھیر لیا۔ پھر انہی میں سے کسی نے دو خونی سوئیوں ہماری طرف پائپ کی مدد سے پھونک مار کر ہماری طرف پھینکیں جس نے ہمیں ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔ وہ سیدھا ہماری گردنوں میں ایک ایک کر کے چبھی تھیں۔ اس کے بعد ہم پیرالائیز ہو گئے تھے۔ دیکھ سکتے تھے، سن سکتے تھے مگر حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں اٹھا کر اپنی کشتیوں میں لا پھینکا تھا۔

پھر اتفاق سے بارش نے پورا موسم ہی بدل دیا تھا۔ گھن گرج کے ساتھ بارش اچانک ہی سورج کی بساط لپیٹتی ہوئی شروع ہو گئی تھے۔ پھر اسی بارش کے چند قطرے میرے منہ میں بھی ٹپک گئے تھے جو اُن خونی سوئیوں کے اثر کو توڑنے کے کام آ گئے تھے۔ وام کی نسبت میرے جسم میں قوت مدافعت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

زیادہ تھی جس کی وجہ سے میں نے جلد ہی اپنے جسمانی حالات کو قابو میں کر کے ان حبشیوں کی دھنائی شروع کر دی۔ اسی دھنائی کے دوران ایک حبشی عورت نے میری جیت کی بازی کو پلٹ دیا تھا۔ اس کے بعد میرے جسم پر جو بیس بال کی مدد سے درگت بنی تھی وہ شاید ہی آج تک کسی کی بنی ہو۔ ان کے کئی کئی کلو کے بھاری بھر کم ہاتھ مجھ پر بہت طوفانی رفتار سے برسے تھے۔ وہی ہاتھ میری بے ہوشی کا باعث بنے تھے۔
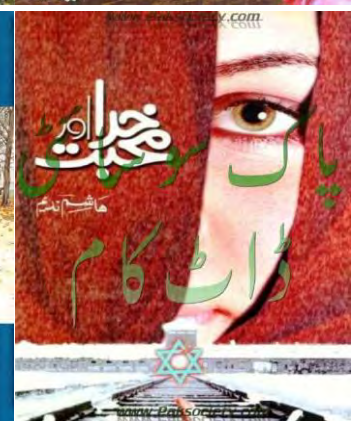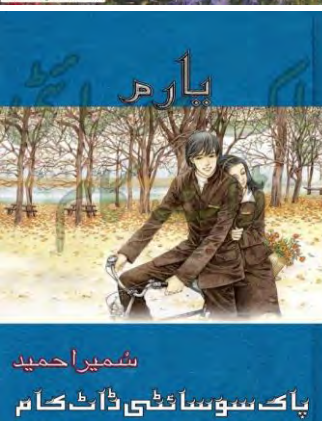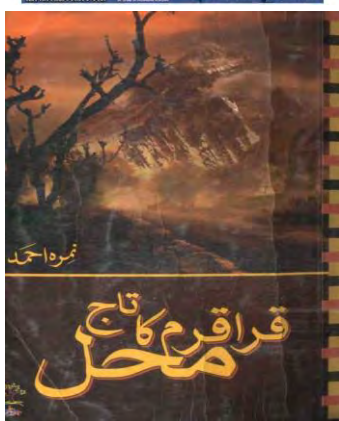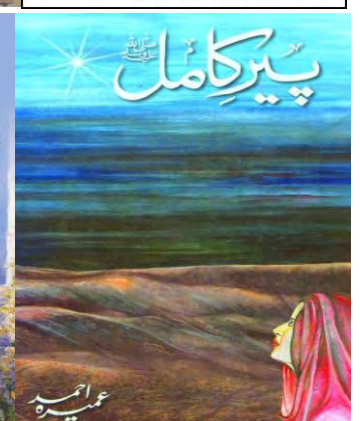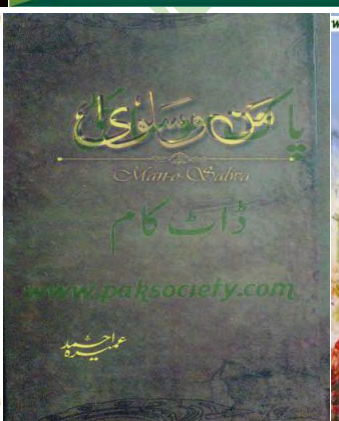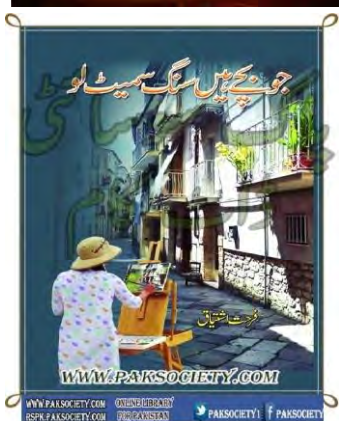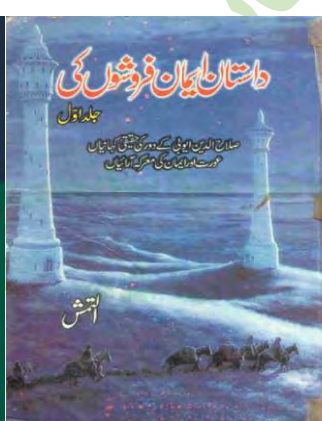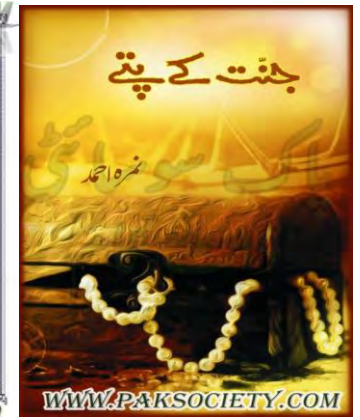
گزشتہ تمام واقعات کی رو سے میں نے جب جب جس جس سچوئیشن میں آنکھ کھولی تھی اس کے بعد مجھے وہاں پر لازی بے ہوش ہونا پڑا تھا۔ پھر اس سچوئیشن سے جان چھوٹتی تھی تو ایک اور گلے پڑ جاتی تھی۔ پھر وہ سیاہ اژدھوں کا منظر تو رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی تھا۔ پتہ نہیں وہ منظر اپنے اندر کتنے خطرناک طوفان لا رہا تھا۔ ابھی مجھے اس شیطانوں والے منظر کی تعبیر کا انتظار تھا تو دوسری طرف یہ والا خواب میرے وجود کو جھلسائے جا رہا تھا۔ میری پوری زندگی ہی انہی دلچسپ واقعات سے گزری تھی۔ خاص طور سے میں جب سے ڈیوڈ کے روپ میں آیا تھا تو میری زندگی مسلسل ایک بھونچال کا شکار تھی۔ ایک مصیبت سے جان چھوٹتی تھی تو دوسری گلے پڑ جاتی تھی اور ابھی تو میں نے اپنی داستان اپنے قارئین کو آدھی بھی نہیں سنائی تھی۔

اپنے درد کی کیفیات کو برداشت کرتے ہوئے بڑی مشکلوں سے آنکھیں کھولنا شروع کیں۔ مجھے دور سے کہیں کسی کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ پھر جوں جوں میں اپنے حواس پر قابو پاتا جا رہا تھا وہ رونے کی آواز ویسے ویسے میرے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں اس وقت کس جگہ پر تھا مسٹری اور درد ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے اپنے جسم میں اٹھنے والے ہر قسم کے درد پر قابو پاتے ہوئے پوری کوشش کے بعد آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

میرا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا۔ اس پر یہ رونے کی آواز تو میرے سر پر کسی ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ منظر دھندلہ تھا اور ماتھا جھول رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں تو اس بار بھی میری یہی کیفیت تھی۔ منظر بدستور ویسا ہی تھا اور وہی رونے کی آواز مسلسل میرے کانوں میں بری طرح سے چبھ رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر سے اپنی آنکھیں بند کیں مجھے پھر شدید درد کا احساس ہوا۔ اس کے بعد مجھے ہمت ہی نہ ہوئی کہ میں دوبارہ آنکھیں کھولنے کی جرات بھی کروں۔

میرا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو گھومتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ میں کسی گول گول گھومنے والے جھولے پر بری طرح سے جھول رہا ہوں۔ چکر تھے کے تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ آخر جو مجھے مار پڑی تھی اب اس کا تاوان بھی تو ادا کرنا تھا۔ سو وہی ادا کر رہا تھا۔ ہر درد پر میں اپنے رب سے اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ جو میں مسلسل کسی نہ کسی وجہ سے بے ہوش ہو جاتا تھا اس میں ضرور کوئی نہ کوئی وجہ رہی ہو گی۔ مجھ سے میرا رب ناراض ہے وہ نہیں چاہتا کہ میرے حالات بہتر ہوں کیونکہ وہ مجھے سزا دینا چاہتا تھا۔ لیکن جو بھی تھا وہ تھا تو غفور الرحیم۔ اس نے کبھی بھی مجھے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔

ضروری نہیں تھا کہ یہ سزا ہو یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ یہ آزمائش ہو۔ وہ مجھے اس میں سے گزار کر مزید نکھارنا چاہتا تھا۔ ہر بار کی مشکل میری سابقہ مشکل سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔ سو جو کچھ بھی تھا مجھے صبر کرنا تھا اور ہمت نہیں ہارنی تھی۔ کیونکہ یہی وہ چیز تھی جو میرے رب کو بہت عزیز تھی۔ بے شک صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور دیر پا بھی تو میں نے صبر کرنے کا پختہ ارادہ کیا اور ایک بار پھر سے اپنی آنکھیں کھولنے لگا۔ آرام آرام سے میری آنکھیں جو کھلیں تو مجھے یہ محسوس کر کے راحت کا احساس ہوا کہ اب وہ دھند چھٹتی جارہی تھی اور میرے سامنے کا منظر واضح ہوتا جارہا تھا۔

جوں جوں میرے سامنے میرے گردو پیش کا منظر واضح ہوتا جارہا تھا ویسے ویسے میری حیرت میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ جبکہ اس دوران پس منظر میں مسلسل رونے کی آواز لگاتار آرہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

آمنہ کے ہاتھوں میں پستول چمکتا دیکھ کر میں نے پر اعتماد انداز میں اپنے ہاتھ بلند کر دیئے۔ اس کی پستول کے ساتھ جو انگریزی حرف کندہ ہوا تھا وہ "ڈی" ہی تھی۔ اس ڈی کے چکر نے مجھے واقعی حیرت میں ڈالا ہوا تھا۔ آمنہ سے جڑی ہر چیز پہ ڈی کا ہونا کافی حیران کن تھا خیر مجھے ابھی اس کی کوئی خاص پرواہ نہیں تھی۔ مجھے ابھی اپنی موجودہ سچوئیشن پر نظر دوڑانی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول پکڑا دیکھ مجھے اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ یہ نہ صرف اسے چلانا جانتی ہے بلکہ اب تک یہ جتنا معصوم بنی ہوئی تھی وہ سب کچھ ایک فریب تھا۔ یہ دونوں مجھے ٹریپ کر کے کہیں لے جانا چاہتے تھے۔ ویسے میں بھاگ تو نہیں رہا تھا لیکن نہ جانے انہیں کیوں مجھ سے انجانا سا خوف لگا ہوا تھا۔ وہ یقیناً ڈیوڈ کی کارکردگی سے خوب اچھی طرح سے واقف تھے۔ کیونکہ اس نے اس بار مجھے ڈیوڈ کے نام سے مخاطب کیا تھا اور یہ ڈیوڈ واقعی ان کے سروں پر عفریت بن کر سوار تھا۔ سو اگر ایسا تھا تو یہ میرے لئے نفسیاتی طور پر بہت اچھا تھا۔ میں اب کسی بھی خطرے میں کودنے کے لئے تیار تھا۔ میں نے آمنہ کو اس بار مسکراتے ہوئے دیکھا اور پھر کہا:

"میں تم لوگوں کے ساتھ پہلے ہی جارہوں شاپنگ کرنے پھر یہ پستول نکالنے کی ضرورت کیا تھی کیا میں چھوٹا بچہ ہوں جو گم ہو جاؤں گا۔"

میری بات ختم ہوتے ہی وہ تنک کر بولی۔

"بکومت مسٹر ڈیوڈ چپ چاپ بیٹھے رہو۔۔۔۔ تمہیں جہاں لے جایا جارہا ہے وہاں تمہاری اچھی طرح سے مہمان نوازی بھی ہوگی اور تمہیں شاپنگ بھی کروائی جائی گی۔"

"لیکن محترمہ اس زور زبردستی کی کچھ سمجھ نہیں آئی اور ساتھ میں مجھے یہ بھی سمجھ نہیں آیا کہ تم نے اسلام آباد ایئرپورٹ پر چیکنگ کے دوران اپنا یہ پستول کیسے ان کی نظروں سے چھپالیا۔ وہاں اس معاملے میں تو کافی سختی تھی۔" میری بات سن کر وہ طنزیہ انداز "ہوں" کرنے کے بعد مجھے کہنے لگی۔

"مسٹر ڈیوڈ جیسے تمہارے لئے شیخ قاسم کا روپ دھارنا مشکل نہیں تھا بالکل ویسے ہی میرے لئے بھی یہ پستول کسٹم والوں سے چھپا کر لے آنا کوئی مشکل نہیں تھا۔ میرے لئے تو یہ بچوں کا کھیل تھا۔"

"لیکن محترمہ آپ یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ میں ڈیوڈ نہیں ہوں میں شیخ قاسم ہوں۔ قطر کا ایک معمولی سا شیخ۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ کو ضرور کوئی نہ کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ قیصر صاحب آپ ہی انہیں سمجھائیں ناں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ دیکھیں اگر آپ لوگوں کو میری دولت چاہیے تو وہ حاضر ہے آپ لوگ جتنا پیسہ مانگے گے میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ بلکہ اس بریف کیس میں تو میرے پاس اب بھی کیش کی صورت میں بہت سارا پیسہ ہے۔۔۔۔" یہ کہہ کر میں نے فوراً اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور بریف کھولنے لگا۔ اس نے پوری قوت سے اپنی لات گھما کر میری لات پر ماری اور چلاتی ہوئی بولی۔

"خبردار۔ میں نے بولا نہیں کہ تمہیں کسی قسم کی کوئی ہوشیاری کرنی کی اجازت نہیں ہے۔ ہم تمہاری ریکی آج سے نہیں گزشتہ دو سالوں سے کر رہے ہیں مسٹر ڈیوڈ اور اب یہ شیخ بننے والا ناٹک چھوڑ دو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" اس کی بات کے دوران ہی میں نے ایک بار پھر سے اپنے ہاتھ کھڑے کر لئے۔ فی الحال میں اس صورت حال سے مکمل طور پر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس لئے تھوڑی دیر تک اسے مزید جاری رکھنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ورنہ اس بازی کو پلٹنا تو میرے لئے بہت آسان تھا۔

"محترمہ میں آپ کو پھر کہوں گا کہ آپ دونوں سے غلطی ہو رہی ہے۔ میں وہ نہیں ہوں جو آپ لوگ سمجھ رہے ہیں۔ خیر مجھے نہیں لگتا کہ میرے کہے کا آپ دونوں پر کچھ بھی اثر ہو۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے واقعی کچھ کر کے دکھانا ہو گا۔" یہ کہتے ہی میں نے ایک گہرا سانس لیا اپنی سیٹ سے تھوڑا سا آگے ہوتے ہوئے ایک بھرپور انگڑائی لینے کی کوشش کی ہی تھی کہ اس کا ہیل والا سینڈل ایک بار پھر میرے بوٹ پے آ کر لگا تو میں جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اس پوری گفتگو کے دوران ماموں صاحب خلاف توقع بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ مجھے اس کے اس رویے پر تھوڑی حیرت ضرور ہوئی لیکن اب اسے بولنے پر مجبور تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سڑکوں پر اسٹریٹ لائٹ روشن ہو گئی تھیں جبکہ اس دوران موٹر بائیکس چلانے والے مسلسل ہمارے دائیں بائیں آگے اور پیچھے گھوم پھر رہے تھے۔ ان کے چہرے میں اس لئے نہ دیکھ سکا تھا کیونکہ وہ سب کے سب سیاہ رنگ کی ہیلمٹ پہنے ہوئے تھے۔ اس کے نیچے انہوں نے اسی رنگ کا چست لباس پہنا ہوا تھا۔ پتہ نہیں وہ یوں قیصر کی گاڑی کو نرغے میں لے کر کس قسم کی ڈیوٹی نبھا رہے تھے۔ باہر رات میں بھی دن کا منظر تھا اور اب ہم اس سڑک پر داخل ہو گئے تھے جہاں نسبتاً ٹریفک کی آمد و رفت کم تھی۔

"تمہیں میں نے کہا ناں کہ تم اپنی جگہ سے ہرگز حرکت نہیں کرو گے۔ اب کی بار میں یہ لاسٹ وانگ دے رہی ہوں۔ اگر اب تم نے میری دی ہوئی وارننگ کا مذاق اڑایا تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ مجھے ٹریگر دباتے دیر نہیں لگے گی۔ سمجھے" آمنہ نے دانت پیس کر کہا تو بے اختیار مسکرا دیا۔

"مس آمنہ جہاز میں تو آپ بہت شریف اور بھولی بھالی سی لگ رہی تھیں۔ اردو ادب کو ایسے کھنگال مارا تھا کہ میں سمجھا واقعی آپ نے ان سب ادبا کو پڑھا ہوا ہے۔ مگر جہاز سے اترتے ہی آپ کے تیوریوں بدلے جیسے موسم بدلتا ہے۔ وہ بھی اپنی بے وفائی سے باز نہیں آتا اور انسان بھی۔۔۔"

"اچھا ڈیوڈ میرے سامنے زیادہ رومنٹک بننے کی کوشش مت کرو۔ جس طرح تمہارا جہاز میں بھائیوں والا برتاؤ تھا ویسے بنو۔ خبر دار اگر تم ایک بھی بے ہودہ بات کی تو میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔"

"اگر تم بہنوں والا رویہ رکھو گی تو میں بھی بھائی بنو گا ناں۔ تالی ہمیشہ دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔ تم عزت دو گی تو مجھ سے پاؤ گی اور یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ میں رومنٹک ہوں، اس معاملے میں اپنا منہ دھو کے رکھو۔ نہ میری ویسی نیت ہے اور نہ ہی مزاج پتہ نہیں تم عورتوں کو اپنے بارے میں یہ غلط فہمی کیوں سوار رہتی ہے کہ تم لوگ سب سے حسین ہو اور ہر لڑکا تمہارے پیچھے رال ٹپکائے پھرے گا۔ سب مردوں کو ایک ہی ترازو میں مت تولو۔" میری بات کرنے کے دوران ہی اس کے کانوں سے دھوئیں نکلنا شروع ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اس کی ٹریگر پر گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی اور پھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اچانک کار میں ایک فائر ہوا اور پھر ایک گھٹی ہوئی انسانی چیخ بلند ہوئی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆

میری آنکھوں کے سامنے دھند چھٹتے ہی جو منظر واضح ہوا وہ واقعی حیران کن اور قابل مذمت تھا۔ میرے سامنے بہت سے انسان بیڑیوں میں بری طرح سے جکڑے ہوئے تھے اور ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ ان کے تن پر کپڑے نہ ہونے کے برابر تھے اور ان کی چمڑی ان کے بدن کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ ان میں سے کئی نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے اور کئی مردہ پڑے ہوئے تھے۔ کسی کی سانسیں بحال تھیں اور کوئی اپنی زندگی کی جنگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔

یہ ایک بہت ہی بڑی قدیم دور کی کشتی تھی۔ جس کے اندر مجھ سمیت بہت سے انسان بیڑوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ میں نے جب تھوڑی سی اور ہمت کر کے قدرے آگے کو جھک کر دیکھا تو مجھے دور کشتی کے دروازے کے پاس کچھ ڈھانچے بھی بیڑیوں سے جکڑے ہوئے نظر آئے۔ ان کی حالت بھی بہت ابتر تھی۔ یہ کشتی کا ایک بہت بڑا حصہ تھا جو ٹوٹ کر کسی جنگل میں پڑا ہوا تھا یا کہیں دھنسا ہوا تھا۔ میں بھی بیڑوں میں سر تا پا جکڑا ہوا تھا۔ میرے کپڑوں کی حالت انتہا درجے کی خراب تھی۔ میں سر تا پا خون میں لتھڑا ہوا تھا میرا سر تا حال جھوم رہا تھا اور میری حالت بھی باقیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔ نہ میرے ہاتھ آزاد تھے اور نہ میرے پیر حتیٰ کہ انہوں نے میرا سر بھی انہی میں جکڑا ہوا تھا۔ میری طوفانی کارکردگی کے بعد وہ مجھ سے خائف ضرور ہونگے تبھی انہوں نے میرے لئے اس قدر اہتمام کیا ہوا تھا۔

مجھے اس سارے چکر میں وام کہیں نظر نہیں آیا تھا پتہ نہیں اس بے چارے پر کیا بیتی تھی۔ کیا معلوم وہ زندہ بھی ہو گا یا نہیں یا میرے اوپر سارا غصہ نکالنے کے بعد وہ اس پر پل پڑے ہوں گے۔ وہ بے چارہ تو دو ڈنڈوں کی مار نہ سہہ سکتا۔ مجھے اس کی بہت فکر ہو رہی تھی اور اب میرے ساتھ اتنے بے گناہ افراد یہاں پڑے ہوئے تھے جن کا پتہ نہیں کیا قصور تھا جو انہیں یہاں لا کر جکڑ دیا گیا تھا۔ ان کی حالت پر مجھے بہت ترس آ رہا تھا۔ مگر میں ان کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ مجھے تو اپنے انجام کا پتہ نہیں تھا اور مجھے بری طرح سے انہوں نے بے بس کر دیا تھا۔

میجر ڈریگن سے شروع ہونے والی کہانی اب اس قدیم کشتی میں آ کر ختم ہوئی تھی۔ باہر دن نکلا ہوا تھا اور دھوپ پوری آب و تاب سے روشنی پھیلا رہی تھی۔ کشتی ہوادار تھی اس کی کھڑکیاں نہیں تھیں اور نہ ہی دروازہ تھا۔ سو سب کچھ ہی اوپن ائیر تھا۔ میرے ذہن میں پھر وہی سوالات گردش کرنے لگے کہ آیا مجھے یہاں پر وہ ظالم قزاق لے کر آئے تھے یا اب یہ کوئی نیا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کوئی بھی سلسلہ مکمل نہیں ہوا تھا، ابھی تو وہ اپنے پورے جوبن پر پہنچا ہی نہیں ہوتا تھا کہ درمیان میں کوئی اور سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

خیر ان واقعات نے آگے چل کر جو بھی رخ اختیار کرنا تھا اس کے لئے مجھے انتظار کرنا تھا۔ میں اب اس سب سے بے نیاز باہر سے چلنے والی ٹھنڈی ہوا کو محسوس کرتے ہوئے راحت اور سکون لینا لگا۔ جبکہ اس دوران کسی کے رونے کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا نہایت سُر میں لگاتار روئے چلا جا رہا تھا۔ پہلے تو مجھے اس کی آواز کافی منحوس لگی تھی لیکن پھر جب مسلسل آتی رہی تو مجھے بے اختیار اس پر ترس آ گیا۔ کیونکہ جو کچھ میرے سامنے موجود انسانوں کے ساتھ ہوا تھا اسے دیکھ کر تو مجھے ہول آنے لگا تھا۔ وہ ظالم جابر لوگ پتہ نہیں اس بے چارے مظلوم انسان پر کیا ظلم ڈھا رہے تھے۔ خدا نے انسان کو زمین پر جانور نہیں بلکہ اپنا خلیفہ یعنی نائب بنا کر بھیجا تھا۔ مگر انسان نے اپنے ہی تخلیق کرنے والے کو اس کی نافرمانی کر کے چیلنج کر دیا تھا۔ بے انسان بہت گستاخ اور نافرمان واقع ہوا تھا جو اپنے رب کے حکم کو اپنے پیروں تلے سے روندھ دے تو پھر اس سے کسی بھی گھٹیا کام کی توقع کی جا سکتی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اچانک اس شخص نے دھاڑیں مار کر رونا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ اب اس کی آہ و زاری پر میرے کان کھڑے ہوئے یہ تو وام کی آواز تھی۔ وہ شاید رو رو کر اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ پہلے مجھے اپنے سر میں درد ہونے کی وجہ سے ٹھیک سے اس کی آواز پہچانی نہیں گئی تھی مگر اب مجھے اس کی ہر چیخ سیدھا اپنے سینے میں کسی خنجر کی طرح پیوست ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر لگاتار اس کی چیخوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ چیخیں تھیں کے تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ ظالموں نے شاید اس پر ظلم و بربیت کی انتہا کر دی تھی۔ کوئی بھی اس پر رحم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں نے بے اختیار اپنے آپ کو کھڑا کر کے چھڑانے کی کوشش کی تو درد کی شدید لہر میرے جسم میں دوڑ گئی مگر زنجیریں اپنی جگہ مضبوطی سے لگی ہوئی تھیں۔ میں بھرپور جھٹکا کھا کر واپس گر گیا۔ میں نے یہی کوشش اپنے جسم کی تمام طاقت اکھٹی کر کے بار بار کی مگر نتیجہ صفر۔ میں نے بے بسی سے ایک بار پھر کشتی کی دیوار سے ٹیک لگا لیا۔ میں اس وقت غصے اور بے بسی کے ملے جلے عمل سے گزرتے ہوئے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

اس کی چیخیں مسلسل آ رہی تھیں اور پھر آخری چیخ اس قدر بھیانک اور دل خراش تھی میرے جیسا مضبوط اعصاب کا مالک بھی دہل گیا۔ آہستہ آہستہ وہ آوازیں بھی تھمنا شروع ہو گئیں۔ اس کے بعد کسی چیز کے گھسیٹے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔ کچھ دیر کے بعد کشتی کے دروازے سے وام کی خون میں لت پت باڈی کو اندر لایا گیا۔ یہ وہی ظالم لمبے تڑنگے حبشی تھے اس کی حالت دیکھ کر کلیجہ حلق کو آ گیا تھا۔ اس کے جسم میں کپکپی طاری تھی اور دو حبشی اسے بری طرح سے گھسیٹتے ہوئے اندر لے آئے اور پھر اسے خالی کنڈوں اور کڑوں میں باندھ دیا گیا۔ اس بے چارے کی حالت تو اتنی غیر تھی کہ وہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتا تھا پتہ نہیں ان ظالموں کو اس سے کتنا خطرہ تھا کہ اسے بھی میرے اور باقیوں کی طرح ظلم کی انتہا کر دی گئی تھی۔

اس خوفناک منظر کو دیکھنے کے بعد میں تصور کر سکتا تھا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا ہونے جا رہا تھا۔۔۔میرا امتحان سخت سے سخت ہوتا جا رہا تھا۔۔۔۔مجھے اب اپنے علاوہ ان کو بھی بچانا تھا۔۔۔جو بظاہر ناممکن لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔